جناب حافظ سید عزیز الرحمٰن *

اسلامی کیلنڈر کی ضرورت واہمیت

محرام الحرام سے تقویم اسلامی کا آغاز کیوں؟

ہجری تقویم اسلام کی چند اہم خصوصیات میں سے ایک ہے' اس کا شمار شعائرِ اسلام میں بھی ہوتا ہے' یہ تقویم عہد نبوی ﷺ کے اہم واقعے کی جانب منسوب ہے' جسے مورخین اور اہل سیر ہجرت مدینہ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ہجرتِ مدینہ:

ہجرت مدینہ' غزوات اور فدائیت کی تاریخ کا ایک اہم سنگِ میل ہے' سرفروشی اور جاں نثاری کی نہ جانے کسی قدر قیمتی داستانیں اس واقعے سے مربوط ہیں' قسام ازل نے ہجرت مدینہ کو ان گنت شرف عطا فرمائے ہیں' یہ شرف بھی ازل سے اسی کی قسمت میں لکھا تھا کہ آئندہ لیل ونہار کی گردشوں کا شمار بھی اسی سے ہوگا۔

آنحضرت ﷺ کی مکہ مکرمہ سے ہجرت اور مکے سے مسلمانوں کی انتقالِ آبادی اگرچہ ظاہری طور پر قریش مکہ کی ایذا رسانیوں کے سبب سے تھی' مگر درحقیقت خالق کائنات نے اپنے پسندیدہ دین' دین اسلام کی عظمت و شوکت اور سیادت کا سکہ بٹھانے اور اسکی ضیاء پاش کرنوں سے سارے عالم کو منور کرنے کے لئے جو وقت متعین کیا تھا' اس کا آغاز اسی ہجرت مدینہ سے ہوا۔

ہجرت مدینہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اسلام اپنی دیگر خصوصیات کے علاوہ ایک مکمل سیاسی نظام بھی رکھتا ہے جو اسلامی ریاست وسلطنت کی بنیاد ہے' نیز اس کی تعلیمات دیگر مذاہب اور دنیا میں مروج نظاموں کی طرح محض تخلیاتی یا کاغذی وکتابی نہیں بلکہ ہر طرح سے قابل قبول' قابل عمل اور لائق نفاذ ہے۔

جبکہ ہجرت سے قبل مسلمان مکے میں کمزور حالت میں تھے' انہیں نہ مذہبی آزادی حاصل تھی نہ ان کے پاس سیاسی اقتدار موجود تھا اور نہ ہی معاشی اعتبار سے ان کو بے فکری' اطمینان اور سکون حاصل تھا' ہر طرح کا اختیار اور مکمل اقتدار دشمنوں اور مخالفین کے پاس تھا' تمدن اور معاشرت کے لوازم سے بھی مکہ کے مسلمان محروم تھے اس لئے یہاں رہ کر وہ اسلام کے سیاسی ومعاشرتی نظام کی تشکیل کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اس کے برعکس مدینہ منورہ میں خالق کائنات نے ایسے اسباب بہم کر دیئے تھے جو اس کام کے لئے ضروری اور مناسب تھے' مدینہ منورہ میں جو لوگ

---

* نائب مدیر ششماہی السیرۃ عالمی' کراچی

ابتداء میں مسلمان ہوئے وہ ان قبائل سے تعلق رکھتے تھے جن کے پاس اس ریاست کی زمام کار پہلے ہی سے موجود تھی اوران پر کسی دوسرے کا کوئی تسلط نہ تھا' اس لئے ہجرت مدینہ کے بعد مسلمانوں کو مکمل انداز میں یہ موقع ملا کہ وہ ایک نئے معاشرے کی تشکیل دیں جس کی بنیاد خالص اسلامی اصولوں پر استوار ہو اور جو زندگی کے تمام مراحل میں دور جاہلیت سے یکسر مختلف اور ہر لحاظ سے منفرد وممتاز ہو اور اس عالم گیر دعوت کا نمائندہ ہو جس کی خاطر مسلمان گزشتہ ۱۳ سال سے مخالفین اسلام اور دشمنان دین کی مختلف الجہت اور مختلف النوع سازشیں' مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کرتے چلے آرہے تھے' یہ تھا تقویم اسلامی کے ہجرت مدینہ سے آغاز کا تاریخی پس منظر' اگر دیکھا جائے تو اسلامی تقویم کے آغاز کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور مناسب واقعہ یا موقع ہو ہی نہیں سکتا۔

تقویم اسلامی کی اہمیت:

تقویم اسلامی کے معاملے کا فیصلہ حضرت عمرؓ نے کافی غور وخوض اور دیگر صحابہ کرامؓ سے طویل مشورے کے بعد کیا تھا' مہتم بالشان معاملات میں حضرت عمرؓ کا یہی طریقہ کار ہوتا ہے۔ تقویم دراصل کسی قوم کی شناخت اور تعارف کا ٹائٹل ہوتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں:

''قومی زندگی کے مقدمات میں سے ایک نہایت اہم چیز سنہ اور تاریخ ہے جو قوم اپنا سنہ نہیں رکھتی وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی' قوم کا سن اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے۔ یہ اس کی قومی زندگی کی روایات قائم رکھتا اور صفحہ عالم پر اس کے اقبال وعروج کا عنوان ثبت کر دیتا ہے' یہ قومی زندگی کے ظہور وعروج کی ایک جاری وقائم یادگار ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں لیکن یہ نہیں مٹ سکتی' کیونکہ سورج کے طلوع وغروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے' اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی رہتی ہے''(۱)

عربوں میں تقویم کا رواج:

عربوں میں چوں کہ لکھنے پڑھنے کا زیادہ رواج نہ تھا' اس لئے تقویم اور ماہ وسال کے حساب کا بھی کوئی خاص طریقہ مقرر نہ تھا' نہ ان کا کوئی خاص سن تھا' اس لئے اگر کوئی بات بیان کرنی ہوتی تو کسی اہم واقعے سے ماہ وسال کا حساب کرلیا کرتے تھے' چنانچہ ابن الجوزی عامر الشعبی کی سند سے روایت کرتے ہیں کہ جب روئے زمین پر آدمؑ کی اولاد کی تعداد زیادہ ہوگئی اور وہ اطراف واکناف میں پھیل گئے تو انہوں نے ہبوط آدمؑ سے تاریخ شمار کی' یہ سلسلہ طوفان نوح تک جاری رہا' وہاں سے نار خلیل تک تاریخ کا حساب کرتے رہے' پھر یوسفؑ کے واقعے سے تاریخ کا حساب کیا گیا' وہاں سے حساب بنی اسرائیل کے مصر سے نکلنے کے واقعے سے تاریخ شمار ہوئی' پھر حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کو بنیاد بنایا گیا۔(۲)

واقدی کا قول یہ ہے کہ تاریخ کا شمار پہلے حضرت آدمؑ سے طوفان نوح تک تھا' پھر نار خلیل تک' وہاں سے بنو

اسماعیل نے تعمیر کعبہ سے تاریخ شمار کی' وہاں سے معد بن عدنان کے زمانے تک' پھر وہاں سے کعب بن لوی کے عہد تک اور وہاں سے عام الفیل تک تاریخ شمار کی گئی (۳)

نیز حمیر والے اپنے بادشاہ تبع کے عہد سے تاریخ کا حساب کرتے تھے' غسان والے سدِ مآرب کے پھٹنے سے اور صنعا والے یمن پر حبشیوں کی فتح اور بعد ازاں ایرانیوں کے غلبے سے' بعد میں عرب اپنی لڑائیوں سے حساب تاریخ رکھا کرتے تھے' مثلاً بسوس' داحس اور غبرا کی لڑائی سے اور ذی قار اور حرب فجار جیسے معرکوں سے (۴)

اسلام آجانے کے بعد بھی مسلمانوں کا یہی طرز عمل قائم رہا اور اب سورتوں کے نزول کی نسبت سے واقعات یاد رکھے جانے لگے' ہجرت کے بعد جن منکرین سے قتال کی اجازت ملی اور سورۂ حج نازل ہوئی تو کچھ عرصے تک یہ واقعہ بطور سن استعمال ہوا' پھر جب سورۂ براۃ کا نزول ہوا تو سنہ براءۃ چل پڑا' آخر میں سنۃ الوداع مشہور ہوا' جو حجۃ الوداع کے بعد رائج ہوا (۵)

یہ بھی کہا گیا کہ سنِ ہجرت کے آغاز سے قبل لوگ ہر سال کو اس واقعے کا نام دیتے تھے جو اس میں وقوع پذیر ہوتا تھا اور اسی سے تاریخ بتاتے تھے' چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ میں قیام کا پہلا سال مکہ سے ہجرت کی اجازت کا سال کہلاتا تھا' دوسرا سال جنگ کے اذن کا اور تیسرا التمحیص (آزمائش) کا۔ (۶)

یہی وجہ ہے کہ اس دور کی تاریخیں گڈمڈ ہیں اور انبیائے کرام اور دیگر تاریخی واقعات کے بارے میں بڑا اختلاف تاریخ پایا جاتا ہے۔

اسلامی تقویم کی ضرورت:

اسلامی تقویم کی ضرورت کب' کیسے اور کیوں پیش آئی؟ اس کے متعلق کئی روایات ملتی ہیں' جن کا تذکرہ ذیل میں علیٰحدہ علیٰحدہ کیا جاتا ہے۔

پہلی روایت: حاکم نے ''اکلیل'' میں ابن شہاب زہری سے روایت نقل کی ہے' وہ کہتے ہیں:

لما قدم النبی ﷺ المدینة امر بالتاریخ فکتب فی ربیع الاول (۷) جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے تاریخ لکھنے کا حکم فرمایا' سو ربیع الاول سے اس کا آغاز ہوا۔

یہی روایت ابوجعفر بن نحاس نے اپنی کتاب صناعۃ الکتاب میں بھی ذکر کی ہے (۸) اور قلقشندی نے بھی ابن شہاب زہری ہی سے یہ روایت نقل کی ہے (۹) لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس روایت کو معضل قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ مشہور قول اس کے خلاف ہے (۱۰) لیکن اس کے برعکس یہی روایت یعقوب بن سفیان نے ان الفاظ سے نقل کی ہے۔

التاریخ من یوم قدم النبی ﷺ المدینة مهاجراً. (۱۱) اسلامی تاریخ کا آغاز اس روز سے ہوا جب حضور ﷺ ہجرت فرماتے ہوئے مدینہ منورہ تشریف لائے تھے۔

ابن عساکر نے بھی اسی کو درست قرار دیا ہے اور زیادہ صحیح بات بھی یہی ہے کہ تقویم اسلامی کا آغاز حضرت عمر بن الخطابؓ کے حکم اور صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے ہوا۔ (۱۲) البتہ آغاز کے لئے ہجرت مدینہ کے اہم واقعے کو بنیاد بنایا گیا جیسا کہ تفصیل آگے آئے گی۔

دوسری روایت:

دوسری روایت ابوطاہر بن محمش الزیادی نے ''تاریخ الشروط'' میں ذکر کی ہے اور اسے علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی نقل کیا ہے' روایت یہ ہے:

ان رسول اللہ ﷺ ارخ بالهجرة حين كتب الكتاب لنصارى نجران و امر عليا ان يكتب فيه حين كتب عنه (۱۳)

رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اسلامی تاریخ کا ہجرت مدینہ سے آغاز کیا' جب آپ نے نجران کے نصاریٰ کو خط ارسال کیا اور حضرت علیؓ کو اس خط پر تاریخ ڈالنے کا حکم دیا۔

تیسری روایت:

امام احمد نے سندِ صحیح کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے:

اول من ارخ التاريخ يعلى بن اميه حيث كان باليمن (۱۴)

''سب سے پہلے ہجری تاریخ کا آغاز یعلی بن امیہ نے کیا' جب وہ یمن میں تھے۔''

چوتھی روایت:

اس روایت میں ذکر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے جب وہ یمن کے گورنر تھے' اپنے ایک خط میں حضرت عمرؓ کی توجہ اس جانب مبذول کرائی تھی' خط کی عبارت یہ تھی:

انه تاتينا منك كتب ليس لها تاريخ (۱۵)

ہمارے پاس آپ کے جو خطوط آتے ہیں ان پر کوئی تاریخ درج نہیں ہوتی۔

پانچویں روایت: رفع لعمر صك محله شعبان' فقال اى شعبان ' الماضى' اولذى نحن فيه' او الآتى ؟ ضعوا الناس' يعرفونه من التاريخ (۱۶)

حضرت عمرؓ کے سامنے ایک چیک لایا گیا' اس پر شعبان تحریر تھا' حضرت عمرؓ نے فرمایا' کون سا شعبان؟ جو گزر گیا ہے' جو جاری ہے یا جو آنے والا ہے؟ لوگوں کی سہولت کے لئے کوئی نظام طے کرو' تاکہ وہ تاریخ کا صحیح علم رکھیں۔

یہ روایت احمد بن حنبل اور ابوعروبہ نے الاوائل میں' بخاری نے الادب المفرد میں اور حاکم نے بھی میمون بن مہران سے نقل کی ہے (۱۷)

چھٹی روایت: اس سلسلے کی ایک روایت ابن ابی خیثمہ کی ابن سیرینؒ سے ہے' وہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص یمن

سے آیا' اس نے بتایا کہ میں نے ایک چیز دیکھی ہے' جسے تاریخ کہا جاتا ہے' اس میں یوں لکھتے ہیں ''من عام کذا وشہر کذا'' یعنی فلاں سال اور فلاں مہینہ' حضرت عمرؓ نے اسے پسند فرمایا اور اسلامی تقویم' تقویم ہجری کا آغاز فرمادیا۔ (۱۸)

اس روایت کو ابوداؤد طیالسی نے بھی نقل کیا ہے۔ (۱۹) اور سخاوی کے ہاں بھی یہ روایت موجود ہے۔

روایات پر ایک نظر:

آگے بڑھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان روایتوں پر جن میں کسی قدر اختلاف اور تضاد پایا جاتا ہے سند و متن اور داریت کے اعتبار سے ایک نظر ڈالتے چلیں تاکہ درست نتائج تک پہنچنا ہمارے لئے آسان ہوسکے۔

۱۔ پہلی روایت میں یہ ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے آغاز تاریخ کا حکم دیا اور ربیع الاول سے آغاز ہوا' لیکن اس روایت کو معضل قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہی روایت اس کے برعکس یعقوب بن سفیان نے ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ اسلامی تاریخ کا آغاز وقعہ ہجرت سے ہوا' ان الفاظ سے بھی اس روایت کا مفہوم وضاح اور متعین اور تعارض ختم ہوجاتا ہے' اس کے علاوہ ابن حجرؒ اور سخاویؒ وغیرہ نے بھی یہی لکھا ہے کہ مشہور اور محفوظ روایت یہ ہے کہ تاریخ کا آغاز حضرت عمرؓ کے زمانے سے ہوا۔ (۲۱)

۲۔ دوسری روایت میں یہ ذکر ہے کہ اہل نجران کو آنحضور ﷺ نے جو خط تحریر کیا تھا' اس میں حضرت علیؓ کو تاریخ تحریر کرنے کا حکم دیا تھا' مگر یہ بات بھی غور طلب ہے کیونکہ اہل نجران کے نام آپ ﷺ کے خطوط جن کتب میں تحریر ہیں ان میں کہیں بھی تاریخ کا ذکر نہیں ہے' تمام بغیر تاریخ کے ہیں (۲۲) نیز آپ ﷺ کے چھ خطوط مبارکہ دستیاب ہوگئے ہیں' جن کا عکس متعدد کتب میں شائع ہوچکے ہیں (۲۳)' یہ تمام خطوط ۵ ہجری کے بعد کے تحریر کردہ ہیں۔ ان میں بھی کسی میں تاریخ موجود نہیں ہے' اس بارے میں تفصیلی بحث مضمون کے آخر میں آئے گی۔

۳۔ تیسری روایت امام احمد کی ہے' اس میں یعلی بن امیہ کے بارے میں ذکر ہے کہ انہوں نے یمن میں تاریخ اسلامی کا آغاز کیا تھا' اگرچہ یہ روایت سند صحیح کے ساتھ روایت کی گئی ہے مگر اس میں عمرو بن دینار اور یعلی بن امیہ کے مابعد انقطاع ہے۔

۴۔ چوتھی' پانچویں اور چھٹی روایات معناً قریب تر ہیں۔ ان میں زیادہ فرق نہیں ہے' یہ عین ممکن ہے کہ یہ تمام اسباب اس موقع پر جمع ہوگئے ہیں' واللہ علم۔

حضرت عمرؓ نے کب تاریخ کا آغاز کیا:

اسلامی تاریخ کے آغاز کے سلسلے میں حضرت عمرؓ کے مشورے کے بارے میں تین اقوال مذکور ہیں۔ ۱۶ ہجری' ۱۷ ہجری' ۱۸ ہجری (۲۴) جبکہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے ''الفاروق'' میں ۱۲ ہجری کا قول نقل کیا ہے (۲۵)' ابوموسیٰ اشعری اور ابن سیرینؒ سے ۱۷ ہجری کا قول نقل کیا گیا ہے (۲۶) اور محمد بن اسحاق نے زہری اور شعبی سے بھی

۱۷رہجری کا ہی قول نقل کیا ہے (۲۷)۔ ابن عساکر نے حضرت سعید بن المسیب سے نقل کیا ہے کہ بارِ خلافت سنبھالنے کے ڈھائی برس کے بعد محرم کو حضرت عمرؓ نے اس کا فیصلہ کیا (۲۸) اس اعتبار سے بھی ۱۶رہجری ہی بنتا ہے کیونکہ حضرت عمرؓ کی خلافت کا آغاز ۱۳رہجری' جمادی الآخر میں ہوا تھا (۲۹) یعقوبی نے بھی ۱۶رہجری کا قول اختیار کیا ہے' وہ ۱۶رہجری کے واقعات میں لکھتا ہے:۔

''اسی زمانے (۱۶رہجری) میں حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ ضبط کتابت کے لئے ایک تاریخ قرار دے دی جائے' پہلے انہیں خیال ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت سے شروع کریں' پھر خیال کیا کہ آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ سے ابتداء کی جائے' لیکن حضرت علیؓ نے مشورہ دیا کہ ہجرت سے آغاز کیا جائے' سو حضرت عمرؓ نے ان کا مشورہ قبول کرتے ہوئے ہجرتِ نبویؐ سے اسلامی تقویم کے آغاز کا فیصلہ فرمادیا''(۳۰)

نیز ابن سعد کا بیان ہے:

''حضرت عمرؓ وہ پہلے شخص ہیں' جنہوں نے ربیع الاول ۱۶رہجری سے اسلامی تقویم کا آغاز کیا' چنانچہ تاریخ لکھنے کے سلسلے کا آغاز انہوں نے نبی کریم ﷺ کے مکہ سے ہجرت فرمانے کے واقعے سے کیا''(۳۱)

ان تمام روایات کے تتبع سے بھی یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے دور میں ۱۶رہجری میں اسلامی ہجری تقویم کا آغاز ہوا' واللہ اعلم۔

حضرت عمرؓ کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے حسب عادت صحابہ کرام کو جمع کر کے اس میں ان کا مشورہ چاہا' مختلف باتیں سامنے آئیں' جس کی تفصیل کتب تاریخ میں موجود ہے' مشورے میں ہرمزان کو بھی طلب کیا گیا' وہ ایرانی شہنشاہ کی جانب سے خوزستان کے گورنر تھے اور مسلمان ہونے کے بعد مدینہ منورہ میں مقیم تھے' حضرت عمرؓ ان سے بھی اہم معاملات میں مشورے کرتے تھے' ہرمزان نے بتایا کہ ہمارے ہاں ایک حساب موجود ہے جسے ماہ روز کہتے ہیں۔ اسی کو عربی میں مورخہ بنالیا گیا اور تاریخ کو اس کا مصدر قرار دیا گیا لیکن بعض دوسرے حضرات کے خیال میں جن میں اہل لغت کی ایک بڑی جماعت شامل ہے' یہ لفظ عربی الاصل ہے اور ''الارخ'' سے مشتق ہے جو نیل گائے کے نربچے کو کہا جاتا ہے' اس کی جمع آراخ اور اراخ آتی ہے' ابو منصور جوالیقی کے بقول الارخ وقت کو کہتے ہیں اور التاریخ توقیت کو (۳۲)

بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ ہجرت مدینہ سے اسلامی تقویم کا آغاز کیا جائے' اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ کس کی رائے سے ہجرت کے آغاز تقویم کا فیصلہ ہوا؟ امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی لکھتے ہیں کہ جن امکانی صورتوں پر اتفاق ہوا اور جن سے آغاز تقویم ہوسکتی تھی وہ چار تھیں۔

۱۔ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت سے' ۲۔ بعثت مبارکہ سے' ۳۔ ہجرت سے' ۴۔ وفات سے'

ان میں سے ولادت اور بعثت کے وقت کے بارے میں اس قدر اختلاف تھا کہ ان کا سال متعین نہیں ہوسکتا تھا' اس لئے انہیں چھوڑ دیا گیا' وفات سے اس لئے آغاز تقویم نہیں کیا گیا کہ وہ واقعہ رنج والم اور افسوس وصدمے کا باعث تھا' اب صرف ہجرتِ مدینہ باقی رہ گئی' چنانچہ اسی سے آغاز کر دیا گیا۔ (۳۳)

اور حاکم نے سعید بن المسیب سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے صحابہ کرام کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ تاریخ کا آغاز کس واقعے سے کیا جائے تو حضرت علیؓ نے فرمایا:۔

من یوم ھاجر النبی ﷺ و ترک ارض الشرک ''اس روز سے آغاز کریں جب نبی کریم ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی اور سرزمین شرک (مکہ مکرمہ) کو چھوڑا تھا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے یہ تجویز قبول کر لی (۳۴) ابن عساکر نے بھی سعید بن المسیب سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ (۳۵) اور مقریزی نے بھی حضرت سعید بن المسیب سے یہی ذکر کیا ہے' وہ لکھتا ہے:۔

''حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور ان سے مشورہ کیا کہ کس روز سے اسلامی تاریخ کا آغاز کیا جائے' پس حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اس روز سے جس روز رسول اللہ ﷺ نے ہجرت فرمائی تھی اور مکہ کو چھوڑا تھا' سو حضرت عمرؓ نے اسی طرح کیا''۔ (۳۶)

یعقوبی کے بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ تجویز' حضرت علیؓ کی پیش فرمودہ تھی جب کہ ابونعیم نے شعبی کے طریق سے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے یہ روایت کی ہے کہ یہ تجویز خود حضرت عمرؓ کی تھی اور ان کا استدلال یہ تھا کہ چونکہ ہجرت مدینہ حق و باطل کے مابین فرق کرنے کا سبب بنی ہے' اس لئے اسی کو تقویم اسلامی کے آغاز کی بنیاد بنایا جائے (۳۷) ایک خیال کے مطابق یہ تجویز ہرمزان کی طرف سے پیش کی گئی تھی (۳۸) لیکن عام طور پر حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کا نام ہی آتا ہے' ان میں بھی زیادہ تر روایات حضرت علیؓ ہی کے بارے میں ہیں' اس لئے اس تجویز کی نسبت ان ہی کی جانب درست معلوم ہوتی ہے اور حضرت عمرؓ کی جانب اس تجویز کو اس لئے منسوب کر دیا گیا کہ انہوں نے حضرت علیؓ کی تجویز کی تائید کی تھی اور اس پر عمل درآمد بھی ان ہی کے حکم سے ہوا' واللہ اعلم

محرم سے سال کا آغاز:

پھر یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی تھی اور عربوں کے رواج کے مطابق ان کے سال کا آغاز محرم سے ہوا کرتا تھا' اس لئے علامہ شبلی کی رائے کے مطابق تقریباً سوا دو مہینے پیچھے ہٹتے ہوئے محرم الحرام سے سنِ ہجری کا آغاز کر لیا گیا (۳۹) دوسری رائے اس مسئلے میں یہ ہے کہ ہجرت کے ارادے اور اس سفر کی منصوبہ بندی کی ابتداء محرم ہی سے ہوئی تھی' کیونکہ بیعت عقبہ ذی الحجہ کے وسط میں ہوئی تھی (۴۰) اور یہی بیعت ہجرت مدینہ کی تمہید اور نقطہ آغاز تھا اور اسکے بعد پہلے مہینہ محرم ہی تھا (۴۱) اور ابونعیم کی روایت میں ابوموسیٰ سے مروی ہے کہ'' پھر یہ تجویز پیش

ہوئی کہ رمضان سے آغاز ہو یا محرم سے ''محرم کو اس لئے قبول کرلیا گیا کہ فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد حجاج کی واپسی اسی مہینے میں ہوتی تھی (۴۲) جبکہ ابن سیرین سے ابن ابی خثیمہ نے نقل کیا ہے کہ بعض نے رجب سے آغاز کی تجویز پیش کی تھی اور بعض نے رمضان سے اور بعض نے محرم سے' حضرت عثمانؓ نے فرمایا:

ارخوامن المحرم' فانه شهر حرام' وهواول السنة' و منصرف الناس من الحج. ''محرم سے تاریخ کا آغاز کرو کیونکہ یہ مہینہ اشہر حرام میں سے ہے اور (عرب کے رواج کے مطابق بھی) یہ سال کا پہلا مہینہ ہے اور حج سے لوگوں کی واپسی بھی اسی مہینے میں ہوتی ہے۔''(۴۳)

علامہ منصور پوری نے بھی اس تجویز کو حضرت عثمانؓ کی جانب منسوب کیا ہے (۴۴)

عبید بن عمیر فرماتے ہیں: ان المحرم شهر الله وهو رأس السنة يكسى البيت ' ويؤرخ به الناس (۴۵)

''بلاشبہ محرم اللہ کا مہینہ ہے' اسی سے سال کا آغاز ہوتا ہے اور بیت اللہ کا غلاف تبدیل کیا جاتا ہے اور اسی سے لوگ تاریخ کا حساب رکھتے ہیں۔''

جبکہ سعید بن منصور نے ''سنن'' میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں سورۂ الفجر کی تفسیر میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: هوفجر المحرم ' فجر السنة (۴۶) ''والفجر میں فجر سے مراد محرم کی ''فجر'' ہے جس سے سال کا آغاز ہوتا ہے۔'' بعینہ یہی قول حضرت قتادہ سے بھی منقول ہے (۴۷)

جبکہ سہیلی کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام نے ہجرت نبوی ﷺ کو اسلامی تقویم کا نقطہ آغاز قرار دینے کے لئے اس قرآنی حکم کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ جو اہل قبا کی شان میں وارد ہوا ہے' فرمانِ باری تعالیٰ ہے۔

لمسجد اسس على التقوىٰ من اول يوم احق ان تقوم فيه (توبہ ۱۰۸)

''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد روزِ اول سے ہی تقویٰ پہ رکھی گئی ہے' اس لائق ہے کہ آپؐ اس میں (نماز کی غرض سے) کھڑے ہوں۔''

کیونکہ یہ بات تو معلوم ہے کہ اس آیت میں ''اول یوم'' سے مطلق یوم مراد ہے نہیں' اس سے یہ متعین ہوگیا کہ یہ کسی مضمر شئی کی طرف مضاف ہے اور وہ اول روز وہی ہوسکتا ہے جب اسلام کو عزت ملی اور نبی کریم ﷺ نے امن و اطمینان کی حالت میں اپنے پروردگار کی عبادت کی اور اس کی ابتداء بنائے مسجد سے ہی ہوئی تھی' اس امر سے صحابہ کرام کی رائے سے یہ سمجھا کہ اول یوم سے یہاں اسلامی تاریخ کا روزِ اول مراد ہے (۴۸) لیکن ابن حجر کے بقول اس سے متبادر یہی معنی ہیں کہ ''اول یوم'' سے مراد مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کے داخلے کا روزِ اول ہے (۴۹) اور زرقانی نے ابن منیر کے حوالے سے سہیلی کی توضیح کو تکلف وتعسف قرار دیا ہے (۵۰)

نتیجۂ گفتگو یہ ہے کہ چوں کہ عام طور پر عربوں کے ہاں بھی سال کا آغاز محرم الحرام سے ہوتا ہے' اس لئے

اسلامی تقویم کے لئے بھی اسی کو اختیار کرلیا گیا اور یہ مشورہ حضرت عثمانؓ یا حضرت عمرؓ نے دیا' اگر چہ اس کی توجیہات اور بھی ہیں' جیسا کہ بیان ہوا۔

تقویم اسلامی کے نفاذ میں تاخیر کی وجوہ:

تقویم اور کلینڈر کی عام انسانی ضرورت کے پیش نظر چاہیے تو یہ تھا کہ اسلامی تقویم کا آغاز اسی وقت ہو جاتا جب مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی تھی' لیکن آنحضرت ﷺ کے عہدِ مبارک میں تو اور دوسری نوعیت کی مصروفیات ہی اس قدر رہیں کہ اس جانب توجہ ہی نہیں دی جاسکی اور پھر چونکہ اس وقت اسلامی سلطنت کا بالکل آغاز تھا' اس لئے غالباً ایسی فوری کوئی ضرورت بھی سامنے نہیں آئی جو مسلمانوں کو اس مسئلے پر غور وفکر پر آمادہ کرتی' آپ ﷺ کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا عہد مبارک آیا' یہ دور مدت میں کم ہونے کے ساتھ ساتھ لاتعداد اندرونی سازشوں اور بیرونی شورشوں میں گھرا ہوا تھا' جن سے عہدہ برا ہونا صدیق اکبرؓ کا کام تھا' وہ ان کی جانب متوجہ رہے اور یہ اہم کام فوری ضرورت نہ ہونے کے سبب ان کی ترجیحات میں نہ آسکا۔

پھر جب خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق کا دور مبارک آیا تو اس وقت ایک تو سابقہ تمام رکاوٹیں بھی دور ہو چکی تھیں' دوسرے پھیلتی ہوئی سلطنت کے ساتھ حکومتی اور انتظامی امور بھی وسعت اختیار کر چکے تھے اور ہر شعبے میں اصلاحات' ترقیاتی کام اور تعمیراتی سرگرمیاں عروج پر تھیں' اس بنا پر ایک تقویم کی ضرورت محسوس کی گئی.....اس طرح تقویم اسلامی کا آغاز ہوا اور یہ افضیلت وشرف بھی ان ہی کے حصے میں آیا[۵۱]۔ جیسا کہ ایک روایت بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے فرمایا کہ مال بہت زیادہ ہونے لگا ہے۔ اور ہماری تقسیم کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے' آخر اس کو ٹھیک ٹھیک یاد رکھنے کی کیا تدبیر کی جائے[۵۲]۔ اس کے بعد مشورے سے یہ طے پایا۔

تقویم اسلامی کی خصوصیات:

آخر میں اسلامی ہجری قمری تقویم کا دیگر تقویموں سے تقابل کرتے ہوئے اس کے امتیازات اور خصوصیات بیان کئے جاتے ہیں' یہ خصوصیات ذیل ہیں:

(الف) اسلامی تقویم کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ آغاز سے اب تک یہ اپنی مجوزہ صورت پر قائم ہے' اس میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی' چونکہ یہ شرعی اور دینی تقویم ہے' اس لئے اس میں ترمیم کا حق کسی فردِ بشر کو حاصل نہیں' یہ خصوصیت غالباً دنیا کی کسی دوسری مروجہ تقویم اور سن میں نہیں پائی جاتی[۵۳]۔

(ب) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ متداول ہونے اور استعمال کے لحاظ سے بھی تقویم ہجری دنیا کے اکثر مروجہ سنین سے قدیم ہے' اگر چہ وہ سنین اپنے اعداد کے اعتبار سے ہجری تقویم سے زیادہ پرانے معلوم ہوتے ہیں' مثال کے طور پر ذیل کی صورتوں پر غور کیجئے:

۱۔ یکم محرم ارہجری مطابق ۱۶ر جولائی ۵۳۳۵ جولین بنتا ہے' اس طرح جولین پیریڈ کا سن بظاہر سن ہجری سے ۵۳۳۴ برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے' حالانکہ یہ تقویم حقیقت میں سنِ ہجری سے ۹۸۹ برس بعد ۱۵۸۲ء میں وضع ہوئی ہے۔

۲۔ یکم محرم ارہجری کو ۳۔آب ۴۳۸۲ عبری تھا' اس طرح بظاہر یہ سن ہجری سے ۴۳۸۱ برس پہلے کا معلوم ہوتا ہے' حالانکہ یہ ۱۵۸۲ء میں وضع ہوا ہے۔

۳۔ سن کل جگ سنِ ہجری سے ۳۷۲۳ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے مگر مغربی مورخین اور ہیئت داں تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سن چوتھی صدی عیسوی میں وضع کیا گیا تھا' یعنی اپنے حساب سے ۳۴ر صدیاں گزرنے کے بعد اس کا آغاز ہوا تھا۔

۴۔ سنِ سکندری سنِ ہجری سے ۹۳۲ سال پہلے کا ہے' مگر اپنی موجودہ ہیئت میں نوزائیدہ ہے' کیونکہ یہ شروع میں کئی صدیوں تک قمری مہینوں پر چلتا رہا ہے۔ بعد میں اسے شمسی مہینوں میں تبدیل کر دیا گیا۔

۵۔ سمت بروشئہ کے مطابق یکم محرم ارہجری کو ۲۶ر ساون سمت ۶۷۹ تھا' اس لئے بظاہر سمت بروشئہ سنِ ہجری سے ۶۷۸ سال پہلے کا معلوم ہوتا ہے مگر ہندو اور مغربی محققین کی تحقیقات کے مطابق اس کا آغاز ۸۹۸ بروشئہ سے ہوا ہے' اس طرح یہ سنِ ہجری کے ۲۲۵ سال بعد شروع ہوتا ہے (۵۴)۔

(ج)۔ اسلامی تقویم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ تقویم کسی خاص شخصیت سے وابستہ نہیں ہے' بلکہ ایک ایسا واقعے سے اس کا تعلق ہے جو پورے مذہب اسلام کے حوالے سے اپنی اہمیت رکھتا ہے' یوں اس کی بنیاد روحانی بھی ہے' یہ خصوصیت رائج الوقت دیگر تقاویم میں نہیں ہے' بیرونی آثار الباقیہ میں لکھتا ہے۔

''قوموں کا طریقہ اس بارے میں یہ رہا ہے کہ بانیانِ حکومت و مذاہب کی پیدائش' بادشاہوں کی تخت نشینی' انبیاء کی بعثت' ملکوں کی فتح و تسخیر' سلطنت کے انقلاب و انتقال اور حوادثِ عظیمہ' ارضیہ سے تواریخ سنین کی ابتداء کیا کرتے ہیں''(۵۵)۔

چنانچہ ایسے بہت سے سنین جو اس دور میں رائج تھے یا آج موجود ہیں' وہ کسی نہ کسی شخصی واقعے کی طرف منسوب ہیں: مثلاً

۱۔ بابلی سن بخت نصر اول کی پیدائش کے وقت سے شروع کیا گیا تھا۔ ۲۔ یہودی سن کا مصر سے خروج کے واقعے سے آغاز ہوتا ہے۔ ۳۔ سنِ عیسوی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے شروع ہوا۔ ۴۔ رومی سن پہلے پہلے سکندر اعظم کی پیدائش اور پھر آگسٹس کی پیدائش سے شروع ہوا۔ ۵۔ ہندوستانی سن راجہ بکرماجیت کی پیدائش سے شروع کیا گیا۔ ۶۔ ایرانیوں میں بھی جس قدر سن رائج ہوئے ان سب کی ابتداء پیدائش' تخت نشینی اور کسی ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں انتقال حکومت کے واقعے سے ہوتی ہے۔ اور اس رسم کے بانی اور مؤسس بھی ایرانی ہی ہیں کہ ہر بادشاہ گزشتہ سن منسوخ کر کے اپنی تخت نشینی کا نیا سن جاری کرے اور اسے سنِ جلوس کہا جائے۔(۵۶) ۷۔ جبکہ

۳۔ اس روایت کو قبول کرنے والوں نے سخاوی کے جس قول کو دلیل بنایا ہے وہ خود اس بارے میں اپنی رائے کو حتمی قرار نہیں دیتے بلکہ صرف روایت ذکر کر کے یہ کہتے ہیں: فان ثبت فیکون..... یعنی اگر یہ روایت ثابت ہو جائے تو حضرت عمرؓ کو حضور اکرم ﷺ کا متبع قرار دیا جائے گا۔ لیکن دیگر روایات سے بات ثابت نہیں ہے۔

۴۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اگر یہ معاملہ حضور اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک میں طے ہو گیا تھا تو پھر حضرت عمرؓ نے کس بارے میں مشورہ کیا تھا' جس کے متعلق روایات بالکل واضح اور اس کثرت سے ہیں کہ ان کے مقابلے میں کسی شاذ یا نئی روایت کو ترجیح دینا ممکن نہیں۔

۵۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے:

''نبی کریم ﷺ کے مدینے آنے تک وہاں تاریخ کا دستور نہ تھا' چنانچہ وہ آپ ﷺ کی تشریف آوری سے ایک مہینہ' دو مہینے شمار کرنے لگے۔ اور ان کا یہی چلن رہا تا آنکہ رسول اللہ ﷺ کا زمانہ اور عمرؓ کی خلافت کے چار سال بھی یوں ہی گزر ے۔ اس کے بعد تاریخ وضع کی گئی''(۶۵)۔

۶۔ امام احمد' بخاری ابن عساکر' ابن سیرین' حاکم' سعید بن المسیب' ابن حجر وغیرہ کی روایات اور ذاتی آراء(۶۶) سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ سلسلہ تقویمِ اسلامی کے موسس حضرت عمرؓ ہیں' ان ہی کے عہدِ مبارک میں صحابہ کرام کے مشورے سے یہ تقویم وضع کی گئی۔

ان نکات کی روشنی میں اس بارے میں نصاریٰ نجران والی روایت پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصہ بحث: اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زندگی اور عہدِ مبارک میں ضرورت نہ ہونے کے سبب اسلامی تقویم کا آغاز نہ ہو سکا' آپ ﷺ کے بعد عہدِ صدیق اکبرؓ کے مختصر ایام میں بھی گوناگوں مشکلات اور مہمات کے سبب اس جانب توجہ نہ دی جا سکی' البتہ عہد فاروق اعظمؓ میں جب ضرورتیں بڑھیں اور اسلامی ریاست وسیع ہوئی تو حضرت عمرؓ فاروق کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی' انہوں نے صحابہ کرام کے مشورے اور حضرت علیؓ کی رائے سے ہجرت نبوی ﷺ کو اسلامی تقویم کا آغاز قرار دے کر اس سے اسلامی سال کا آغاز کیا' پھر چونکہ ہجرتِ مدینہ ربیع الاول میں ہوئی تھی اور عربوں کا سال محرم سے شروع ہوتا تھا' اسلئے حضرت عثمانؓ کے مشورے سے محرم سے اسلامی سال کا آغاز ہوا اور یکم محرم الحرام ۱ر ہجری مطابق ۱۶ر جولائی ۶۲۲ء۔ ۱۶ر جولائی ۵۳۳۵ جولین' ۳ر آب' ۴۳۸۲' عبری' ۲۶ر ساون' ۶۷۹ سمت کو ہجری تقویم کا نقطۂ آغاز قرار دیا گیا(۶۷)۔ جبکہ ہجری تقویم کا باقاعدہ آغاز اور پہلی مرتبہ استعمال عہدِ فاروقی میں ۳۰ر جمادی الاخریٰ ۱۷ھ مطابق ۱۲ر جولائی ۶۳۸ء بروز اتوار کو ہوا(۶۸) واللہ اعلم بصوابہ' وعلمہ اکمل واتم' وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین.

عربوں میں لکھنے پڑھنے کا کوئی خاص رواج نہ ہونے کی وجہ سے ان کا خاص سن نہیں تھا بلکہ وہ مخصوص واقعات کے اعتبار سے اپنے سالوں کا حساب رکھا کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ کی ولادت سے قریب کے زمانے میں ابراہہ کا حملہ عرب کا خاص واقعہ تھا اس کا اعتبار کرتے ہوئے ان کے ہاں عام الفیل رائج تھا۔اس کی کچھ تفصیل پہلے گزری ہے۔

(د)　اس ہجری قمری تقویم میں ہفتے کا آغاز جمعۃ المبارک سے ہوتا ہے[۵۷]۔

(ہ)　ہجری تقویم میں شرک نجوم پرستی یا بت پرستی وغیرہ کا شائبہ تک نہیں ہے اس کے مہینوں اور دنوں کے ناموں کو کسی دیوی یا دیوتا سے کوئی نسبت نہیں۔[۵۸]

(و)　سابقہ شریعتوں میں بھی دینی مقاصد کے لئے یہی قمری تقویم رائج تھی بعد میں لوگوں نے اس میں تحریف اور ترمیم کرتے ہوئے اسے قمریہ شمسی یا صرف شمسی تقویم میں بدل ڈالا۔لیکن ہجری اسلامی قمری تقویم الحمدللہ ہر طرح کے تغیر وتبدل سے محفوظ ہے۔[۵۹]

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

نصاری نجران کی جو روایت سخاوی کے حوالے سے پہلے بیان ہوا اس میں یہ بھی مذکور ہے:فان ثبت فیکون عمر متبعا لامبتکرا[۶۰]۔یعنی اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ تقویم کا آغاز حضور اکرم ﷺ نے خود فرمایا تھا تو حضرت عمرؓ تقویم ہجری کے سلسلے میں آپ ﷺ کی پیروی کرنے والے ہوں گے اس کے بانی وموجد نہیں اس سے بعض حضرات کو(۶۱) یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ حضرت عمرؓ نے تقویم ہجری کا آغاز نہیں کیا تھا بلکہ اس کا آغاز آپ ﷺ کے دور میں ہی ہو چکا تھا حالانکہ قرائن وشواہد کی رو سے یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اکثر روایات کی موجودگی میں تنہا اہل نجران کی روایت کی بنیاد پر یہ فیصلہ کرنا درست نہیں اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کو پیش نظر رکھنا چاہیے:

۱۔　اس روایت میں ذکر یہ ہے کہ نصاریٰ نجران کو جب آنحضرت ﷺ نے خط لکھا تو اس میں آپ ﷺ نے تاریخ لکھنے کا حکم دیا تھا غور طلب بات یہ ہے کہ اہل نجران کے نام آپ ﷺ کے کئی خطوط حدیث سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں[۶۲]۔ان میں کسی میں بھی کوئی تاریخ مذکور نہیں ہے آنحضرت ﷺ سے تعلق رکھنے والی ہر بات اور ہر چیز کی صحابۂ کرام اور بعد کے مسلمانوں نے جس طرح حفاظت کی ہے اس کے پیش نظر یہ باور کرنا ممکن نہیں کہ انہوں نے اس تاریخ کا ذکر نہیں کیا ہوگا۔

۲۔　آپ ﷺ نے ۶ھ ہجری اور اس کے بعد مختلف سلاطین کو دعوتی خطوط تحریر فرمائے تھے ان میں سے چھ خطوط اب بھی اپنی اصل حالت میں محفوظ ہیں اور ان کے عکس متعدد کتب میں شائع ہو چکے ہیں[۶۳]۔ان میں کہیں بھی کوئی تاریخ درج نہیں ہے حالانکہ نصاریٰ نجران کو آپ ﷺ نے یہ خط ۵ھ ہجری میں ارسال فرمایا تھا[۶۴]۔اس اعتبار سے بعد کے تمام خطوط میں تاریخ درج ہونی چاہیے تھی۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد رسول رحمت رترتیب' مولانا غلام رسول مہر رشیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور رص ۲۰۳

۲۔ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی رالاعلان بالتوبیخ راردو ترجمہ ڈاکٹر سید محمد یوسف رمرکزی اردو بورڈ' لاہور' جون ۱۹۶۸ء ص ۱۷۵　۳۔ ایضاً　۴۔ ایضاً ص ۱۷۶

۵۔ شاہ مصباح الدین شکیل رسیرت احمد مجتبیٰ رپاکستان اسٹیٹ آئل' کراچی ۱۹۹۶' ج ۲ رص ۵۶

۶۔ الاعلان رص ۱۷۴

۷۔ ابوجعفر محمد بن جریر طبری م ۳۱۰ھ رتاریخ الرسل والملوک ربیروت رج ۲ رص ۳۸۸ رابن الحجر العسقلانی م ۸۵۲ھ رفتح الباری ر قدیمی کتب خانہ' کراچی رج ۷ رص ۳۴۱' محمد بن عبدالباقی الزرقانی رشرح المواہب اللدنیہ ردار المعرفۃ' بیروت' ۱۹۹۳ رج ۱ رص ۳۵۲' محمد بن یوسف الصالحی الشامی رسبل الہدیٰ والرشاد ردار الکتب العلمیہ' بیروت ۱۹۹۳ء ر ج ۱۲ رص ۳۶

۸۔ شیخ عبدالحیٔ الکتانی رنظام الحکومۃ النبویۃ المسمیٰ التراتب الاداریہ ردار الکتاب العربی' بیروت رص ۱۸۰

۹۔ قلقشندی رصبح الاعشیٰ' بیروت رج ۶ رص ۲۴۰　۱۰۔ ابن حجر رفتح الباری' ج ۷ رص ۳۴۱ رص ۳۶

۱۱۔ سبل الہدیٰ والرشاد رج ۱۲ رص ۳۶　۱۲۔ ایضاً / طبری ج ۲ رص ۳۸۸

۱۳۔ التراتب الاداریہ رص ۱۸۱' اس بارے میں موصوف نے اپنی کتاب الشمار یخ فی علم التاریخ مین مفصل بحث کی ہے' دیکھئے التراتب محولہ بالا' سبل الہدیٰ والرشاد رج ۱۲۔ ص ۳۶

۱۴۔ ابن حجر' فتح الباری' ص ۳۴۲' ابوالفداء اسماعیل بن کیر' م ۷۷۴ھ رالبدایہ والنہایہ ردار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۹۹۰' ج ۳ رص ۲۱۷۔ یہ روایت تلاش بسیار کے باوجود راقم کو مسند احمد میں نہیں مل سکی' مگر حاکم نے مستدرک میں اس کے الفاظ نقل کئے ہیں' ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم رالمستدرک ردار الکتب العلمیہ' بیروت' ۱۹۹۰ رج ۳ رص ۴۷۹' رقم ۵۷۹۰/۱۳۸۸

۱۵۔ ڈاکٹر حمید اللہ' الوثائق السیاسیہ ردار النفائس' بیروت' ۱۹۸۵ء رص ۵۲۱' رقم الوثیقہ ۳۶۸

۱۶۔ ابن حجر' ص ۳۴۲' سبل الہدیٰ والرشاد رص ۳۸' الاعلان / ۱۷۱

۱۷۔ الاعلان ایضاً رابوالیقظان نے بھی حضرت عمرؓ سے اس طرح نقل کیا ہے۔ دیکھئے الاعلان محولہ بالا و سبل الہدیٰ والرشاد رمحوالہ بالا

۱۸۔ ابن حجر رص ۳۴۲ و سبل الہدیٰ والرشاد' محولہ بالا　۱۹۔ ابن کثیر رالبدایہ رج ۳ رص ۲۱۷

۲۰۔ الاعلان رص ۱۷۱　۲۱۔ ابن حجر رفتح الباری رص ۳۴۱ وطبری رج ۲ رص ۳۸۸ وسخاوی رالاعلان رص ۱۶۸

۲۲۔ ان خطوط کے لئے ملاحظہ کیجئے رڈاکٹر حمید اللہ رالوثائق السیاسیہ رص ۱۶۵ تا ۱۸۰

۲۳۔ ان خطوط کے لئے ملاحظہ کیجئے رسید فضل الرحمٰن ر''خطوط بادی اعظم ﷺ'' رزوار اکیڈمی پبلی کیشنز' کراچی

۲۴۔ ابن کثیر رالبدایہ والنہایہ رج ۳ رص ۲۱۶　۲۵۔ شبلی نعمانی رالفاروق رص ۴۶۰

۲۶۔ زرقانی رج ۱ رص ۳۵۲　۲۷۔ ابن کثیر رج ۳ رص ۲۱۶　۲۸۔ شامی ایضاً رص ۳۸

۲۹۔ ابن کثیر رالبدایہ والنہایہ رج ۸ رص ۱۸　۳۰۔ احمد بن ابی یعقوب رتاریخ یعقوبی ردار صادر' بیروت رج ۲ رص ۱۴۵

۳۱۔ محمد بن سعد رالطبقات الکبریٰ ردار الکتب العلمیہ' بیروت ۱۹۹۷ء رج ۳ رص ۲۱۳　۳۲۔ شامی رص ۴۱

۳۳۔ ابن حجر رفتح الباری رج ۷ رص ۳۴۲' الاعلان رص ۱۶۹

۳۴۔ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم رالمستدرک علی الصحیحین ردار الکتب العلمیہ' بیروت ۱۹۹۰ء: ج ۳ رص ۱۵' رقم ۴۲۸۷/۳۱'

ذہبی نے اس روایت کی موافقت کی ہے اور اسے ''صحیح'' کہا ہے۔

۳۵۔ شبلی نعمانی رالفاروق رص ۴۶۰

۳۶۔ مقریزی رامتاع الاسماع رج ۲ رص ۵۰۶ طبع ثانی مصر

۳۷۔ زرقانی رج ۱ رص ۳۵۲ وابن حجر رفتح الباری رج ۷ رص ۳۴۲

۳۸۔ یہ خیال اردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب کے مقالہ نگار نے ظاہر کیا ہے مگر اس کی تائید کسی دوسری کتاب اور مورخ کے قول سے نہیں ہوتی۔ دیکھئے ج ۶ رص ۳۹

۳۹۔ شبلی نعمانی رالفاروق رص ۴۶۰

۴۰۔ ابن ہشام رالسیرۃ النبویۃ ردار المعرفہ بیروت ۱۹۷۸ء رج ۲ رص ۱۸۷

۴۱۔ شامی رص ۳۸ وزرقانی رص ۳۵۲ ۴۲۔ شامی رص ۳۷

۴۳۔ ابن حجر رفتح الباری رج ۷ رص ۲۷۲ والاعلان رص ۱۷۲

۴۴۔ قاضی محمد سلیمان سلیمان منصور پوری ررحمۃ للعالمین رشیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۳ء والاعلان رص ۱۷۲

۴۵۔ ابن کثیر رالبدایہ والنہایہ رج ۳ رص ۲۱۷

۴۶۔ ابوالفضل شہاب الدین سید محمود الوسی بغدادی رروح المعانی رداراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۸۵ء رج ۳۰ رص ۱۱۹

۴۷۔ قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی م ۱۲۲۵ھ رتفسیر مظہری رادارہ اشاعت العلوم ندوۃ المصنفین دہلی رج ۱۰ رص ۲۵۳

۴۸۔ عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی رالروض الانف ردار المعرفہ بیروت ۱۹۷۸ء ۲ رص ۲۴۶

۴۹۔ ابن حجر رفتح الباری رج ۷ رص ۳۴۱ ۵۰۔ زرقانی رج ۱ رص ۳۵۲

۵۱۔ سید فضل الرحمٰن رہادی اعظم ﷺ رزوار اکیڈیمی پبلی کیشنز کراچی ۲۰۰۰ء رج ۱ رص ۳۲۲۔۳۲۳

۵۲۔ الاعلان رص ۱۷۳ ۵۳۔ پروفیسر ظفر احمد رالسیرۃ النبویہ توقیتی تضادات کا جائزہ رمشمولہ ششماہی السیرہ عالمی رمدیر سید فضل الرحمٰن رزوار اکیڈیمی پبلی کیشنز کراچی رشمارہ ۱ جون ۱۹۹۹ء رص ۱۶۹

۵۴۔ سلیمان منصور پوری ررحمۃ للعالمین رج ۲ رص ۳۵۱ ۵۵۔ ابوالکلام آزاد ررسول رحمت رص ۲۰۷

۵۶۔ رحمۃ للعالمین رص ۳۵۱ ۵۷۔ پروفیسر ظفر احمد رالسیرہ شمارہ ۱ رص ۱۶۹ ۵۸۔ ایضاً

۵۹۔ ایضاً رص ۱۷۵ ۶۰۔ الکتانی رالتراتب الاداریہ رص ۱۸۱

۶۱۔ Jounal of Islamic Studies, Karachi, University. /Editor in Chief Prof. Dr. Abdul-Rashid by Prof. Dr. M. Tahir Mallick/ The Hijra Calendar Asymbol of Islamic Culture. P.12

۶۲۔ دیکھئے ڈاکٹر حمید اللہ رالوثائق السیاسیہ رص ۱۶۵ تا ۱۸۰ ۶۳۔ ملاحظہ کیجئے حوالہ نمبر ۲۳

۶۴۔ الکتانی رص ۱۸۱ ۶۵۔ الاعلان رص ۱۷۳

۶۶۔ ابن حجر رفتح الباری رص ۳۴۱۔۳۴۲ وشامی رص ۳۷۔۳۸

۶۷۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ رج ۲۳ رص ۱۲۴

۶۸۔ رحمۃ للعالمین رج ۲ رص ۳۵۱ و اردو دائرہ معارف اسلامیہ محولہ بالا۔